کی دنیا پر پڑتی ہے تو اب وہ اس کی مصنوعی جگمگاہٹ سے مرعوب و متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں جو کچھ سمجھدار اور ذہین ہوتے ہیں وہ علوم مشرقیہ کے امتحانات میں
کامیابی حاصل کر کے اسکولوں یا بڑا تیر مارا تو کسی کالج میں اورینٹل ٹیچر ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ
جن لوگوں کو طالب علمی کے زمانے میں کچھ لکھنے لکھانے کی مشق ہو جاتی ہے وہ کسی اخبار کے دفتر
میں کوئی کرسی سنبھال لیتے ہیں۔ اب جو بچتے ہیں ان میں سے کچھ انجمنوں میں کچھ کاروبار میں، اور
کچھ مدرسوں میں کھپ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے کام مختلف ہیں، لیکن ان میں سے جو شخص جہاں
ہوتا ہے مطمئن ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیشہ کو اسی طرح سرانجام دیتا ہے جس طرح سرکاری دفتر کا
کوئی کلرک۔ مہینہ بھر کام کرنے کے بعد اس نے اپنی تنخواہ لی اور بس! اب اسے نہ مطالعۂ کتب سے
کوئی واسطہ ہے، اور نہ مسلمانوں کے عام ارشاد و ہدایت سے کوئی دلچسپی۔ یعنی اس نے کسی ایک
مدرسۂ عربیہ میں آٹھ نو سال مقیم رہ کر علوم دین کی تحصیل صرف اس لئے کی تھی کہ یہاں سے فارغ
ہونے کے بعد وہ خود اپنی اور اپنے بال بچوں کی روزی کا بندوبست کر سکے اور ان کا پیٹ پال سکے
گویا اس طرح ہمارے مدارس عربیہ بھی معاشی ضروریات کو پورا کرنے اور انسان کو صرف اسی کے قابل
بنانے کا ذریعہ ہو گئے ہیں اور اس اعتبار سے ان کی حیثیت ان اداروں سے ہرگز مختلف نہیں ہے
جن کا مقصد وجود ہی انسان کو شکم پری کے لائق بناتا ہے۔

ایک طرف ہماری دینی تعلیم کے انحطاط و تنزل کا یہ عالم ہے کہ غزالی و رازی اور سبکی و
سیوطی تو کجا، نصاب متداول کو پڑھانے والے اور استناد کے ساتھ دو چار مسئلے بتانے والوں کے بھی
لالے پڑتے جاتے ہیں۔ اور دوسری جانب مختلف اسباب و وجوہ سے ملک میں الحاد و زندقہ عام ہوتا
جاتا ہے، بے دینی کو فروغ ہو رہا ہے اور جدید تعلیم کے نوجوانوں میں علماء کی قیادت اور رہنمائی سے سرکشی
بڑھتی جا رہی ہے۔ اب ان حالات کو سامنے رکھ کر خدا کے لئے غور کیجئے کہ اگر لیل و نہار کی گردش یہی
رہی اور حالات کی رفتار میں کسی خارجی موثر کے ماتحت بالکل معجزانہ طریقہ پر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی

تو اس ملک میں مسلمانوں کا اور اسلام کا کیا حشر ہوگا۔ ٹرکی، عراق، فلسطین اور ایران کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ان ممالک میں آج جو لامذہبیت اور بے دینی پائی جاتی ہے اس کا اصل باعث یہ نہیں ہے کہ وہاں علمارِ حق جو ایک نظرے خاک کو کیمیا بنا دیتے تھے ان کی پیداوار یک بیک رک گئی اور اُن کی جگہ صرف پیشہ ور مولوی پیدا ہونے لگے جو نوجوان طبقہ کو اپنی مذہبی قیادت کے سایہ میں رکھنے کے قابل نہیں تھے۔

ہندوستان کے عام مسلمانوں اور علمائے کرام دونوں کو خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ موجودہ سیاسی اختلافات اور ان کے لئے رزم آرائیاں وقت کی آندھی کا ایک تھپیڑا ہے جو بہر حال وقتی اور ہنگامی ہے۔ لیکن اگر اس کشمکش میں خدانخواستہ مسلمانوں کے دینی رجحانات کو کوئی صدمہ پہنچ گیا اور عوام کا تعلق دین کے ساتھ ساتھ علما سے بھی منقطع ہوگیا تو یہ یقینی ہے کہ اس عظیم خسارہ اور تباہی کی مکافات صدیوں میں بھی نہ ہو سکیگی اور پھر خدا کے یہاں اس کی باز پرس کسی ایک فرقہ اور گروہ سے نہیں، بلکہ سب سے ہی ہوگی۔

یہ تو ہماری تباہی و بربادی کا وہ منظر ہے جو قدیم تعلیم کی درسگاہوں میں نظر آتا ہے۔ اب ذرا جدید تعلیم کا بھی سرسری طور پر ایک جائزہ لیتے چلئے۔

یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان میں جدید تعلیم کا مقصود بالذات بڑی بڑی ملازمتوں، عہدوں، یا معاش کے لئے کسی آزاد ذریعہ کے حاصل کرنے کے سوا، شائستگی یا کلچر کا حصول کبھی بھی نہیں رہا ہے۔ لیکن گذشتہ جنگِ عالمگیر سے پہلے چونکہ حکومت نے اپنی مخصوص پالیسی کے ماتحت ہندوستان میں صنعتی و حرفتی اور دوسری قسم کی ٹکنیکل تعلیم کی کچھ زیادہ حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ اس بنا پر ہمارے نوجوان طلبہ فنون (Arts.) پر اپنا وقت زیادہ صرف کرتے تھے۔ اور اس طرح فلسفہ، تاریخ، لٹریچر، اور عربی، فارسی وغیرہ کے پڑھنے سے ان میں خود بخود شائستگی، تہذیب اور کلچر پیدا ہو جاتا تھا۔

اور یہ لوگ کالجوں سے نکلنے کے بعد ملک کے ادبیات اور سیاسی و تہذیبی خدمات میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔

لیکن اس جنگ نے جدید تعلیم کا نقطۂ نظر بھی بالکل تبدیل کر دیا ہے۔ اب چونکہ حکومت جنگ کے اثراتِ مابعد کی وجہ سے ہندوستان کو صنعتی و حرفتی ملک بنانے پر مجبور ہے، اس بنا پر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ... طلبا میں فنون کی بے قدری اور بے وقعتی کے جذبات روز بروز افزوں ہوتے جا رہے ہیں اور ان کے بجائے، سائنس اور صنعتی و حرفتی تعلیم کی طرف رجحانات زیادہ ہو رہے ہیں۔ جن حضرات کو یونیورسٹی کی تعلیم کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ آج کل تقریباً ہر یونیورسٹی میں فنون کی کلاسوں میں طلبا، اور طالبات کا وہ ہجوم نظر نہیں آتا جو طبعیات۔ کیمیا۔ زراعت اور تجارت وغیرہ کی کلاسوں میں نظر آتا ہے۔ یہ صورتِ حال بھی تہذیب اور کلچر کے اعتبار سے ہم لوگوں کے لئے کچھ خوش آئند نہیں ہے۔ ہم ٹکنیکل اور میکینیکل تعلیم کے مخالف نہیں ہیں۔ اور نہ کوئی سمجھدار انسان جو ملک کی مادی اور اقتصادی فلاح و بہبود کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس تعلیم کی مخالفت کر سکتا ہے لیکن ہمارے ماہرینِ تعلیم اور اربابِ حل و عقد کو ایک لمحہ کے لئے اس پر غور کرنا چاہیے کہ اگر ملک میں صرف بڑے بڑے انجنیر، صناع اور اربابِ حرفت ہی پیدا ہونے لگے اور شائستگی اور کلچر سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہوا جو فنون کی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں تو ہمارا ملک اقتصادی اور مادی اعتبار سے ترقی پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی، روحانی اور ادبی اعتبار سے کس قدر پست اور انحطاط پذیر فتہ ہو جائے گا اور یہ چیز ہندوستان کی اپنی کلچرل روایات کے لئے کس درجہ حسرت و افسوس کا باعث ہوگی، زمانہ کے ساتھ چلنا بیشک ہر قوم کو اپنی زندگی کے لئے ضروری ہے لیکن اگر کوئی قوم اپنی قومی خصوصیات سے محروم ہو کر زندہ رہتی ہے تو درحقیقت وہ اس کی زندگی نہیں بلکہ موت ہے، زمانۂ مابعد جنگ کے لئے جو تعلیمی نظام بنایا جا رہا ہے اس میں اس بنیادی حقیقت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔